OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

سیرتِ نبوی پر استشراقی نظریات کا ناقدانہ جائزہ: "محاضراتِ سیرت" کا خصوصی مطالعہ
(Critical Examination of Orientalists' views on Prophetic *Sīrah*: A Study of "*Muḥāḍrāt-e-Sīrat*")

Dr. Samina Saadia

Assistant Professor, Sheikh Zayed Islamic Centre, Punjab University, Lahore

Muhammad Usman Khalid

PhD Scholar Islamic Studies, University of Engineering & Technology, Lahore

Abstract

This paper studies the response of *Dr. Maḥmood Ahmed Ghāzī* (1950-2010), a well-known Pakistani jurist and scholar, to the orientalists' criticism on *Sīrah* of Prophet Muhammad (ﷺ), in his "*Muḥāḍrāt-e-Sīrat*". The study reveals that *Ghāzī* has scholarly responded the orientalists' objections on Prophetic *Sīrah*. He proves that orientalists' claims such as Quran was written by Muhammad himself; the *ḥadīths* were unreliable; the sources of Prophetic biography were unauthentic; the Prophet after migrating to Medina became a worldly king; the Prophet belonged to an inferior clan; he adopted polygamy for his sexual desires, etc., are the results of their prejudices and misunderstandings. In many places it seems that they have distorted the facts.

Keywords: Orientalists, *Sīrah*, *Ghazī*, "*Muḥāḍrāt-e-Sīrat*"

تمہید

سیرتِ نبوی پر استشراقی نظریات کے نقد و تجزیے کا سلسلہ مسلم اہلِ علم و نظر میں کافی عرصے سے جاری ہے۔ اردو زبان میں اس حوالے سے بہت سے مطالعات سامنے آچکے ہیں۔ اس ضمن میں مطالعۂ سیرت کا علمی محاذ سب سے پہلے سر سید احمد خان نے کھولا اور ولیم میور کی کتاب 'لائف آف محمد' پر تنقیدی کتاب 'الخطبات الاحمدیہ' لکھی۔ سر سید

CC BY

احمد خان کے بعد علامہ شبلی نعمانی اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بھی اپنی تالیفات و تصنیفات میں مستشرقین کے اعتراضات و تنقیدات کا محاکمہ کیا۔ یہ سلسلہ مسلسل جاری ہے۔ ماضی قریب میں اس حوالے سے جن شخصیات کے یہاں قابلِ ذکر کام ملتا ہے، ان میں ڈاکٹر محمود احمد غازی (1950ء-2010ء)[1] کا نام نمایاں ہے۔ آپ کی تحریروں میں یوں تو متعدد مقامات پر موضوع سے متعلق اہم چیزیں ملتی ہیں، لیکن آپ کی کتاب "محاضراتِ سیرت" میں اس کا خصوصی اہتمام نظر آتا ہے۔ اس کے مقدمے میں انھوں نے خود لکھا ہے کہ ان محاضرات میں کوشش کی گئی ہے کہ مغربی مستشرقین اور ان کے مشرقی مسترشدین کی پیدا کردہ غلط فہمیوں اور الجھنوں کو دور کیا جائے۔[2] اس تناظر میں زیر نظر مقالے میں مستشرقین کی تنقیدات کا "محاضراتِ سیرت" کے حوالے سے مطالعہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

قرآن کے نبی اکرم ﷺ کی تصنیف ہونے کے دعوے کا جائزہ

مستشرقین کے یہاں یہ دعویٰ عام ملتا ہے کہ قرآن آں حضور ﷺ کی تصنیف ہے۔ اس ضمن میں وہ بحیرہ راہب والی روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ اس روایت میں بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے تیرہ سال کی عمر میں اپنے چچا کے ساتھ شام گئے تھے۔ وہاں ایک راہب سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس راہب نے حضور ﷺ کو دیکھا اور آپ کے چچا سے کہا کہ آپ اس بچے کو لے جائیں کہیں یہودی اس کو نقصان نہ پہنچائیں۔ چنانچہ ابو طالب نے حضور ﷺ کو فوراً واپس بھیج دیا۔[3] مستشرقین اس واقعہ کی بنیاد پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ نے بحیرہ راہب سے قرآن سیکھا تھا۔ چنانچہ واشنگٹن ارونگ لکھتا ہے: "Mahomet سے جن علوم الاصول اور عیسائی مذہب کی روایات کا مظاہرہ ہوا، اکثر نے اس کو اس راہب سے کی گئی ابتدائی گفت و شنید سے منسوب کیا ہے۔"[4] Royston Pike نے لکھا: "یہ سفر آپ کی تعلیم کا بہترین حصہ تھے، ان (چشموں پر رات کا قیام، چولہے کے گرد جنوں اور بھوتوں کی کہانیاں) نے ایک لڑکے کے ذہن پر بڑا اثر کیا جو کہ فطری طور پر مالیخولیا کا شکار تھا۔"[5] جان سٹون نے کہا: "اس میں کسی کو کوئی شبہ نہیں کہ ساری کہانی محمد کی غالباً نیم آگہی میں غیر واضح یاد کیے ہوئے ان

---

[1] معروف پاکستانی فقیہ اور سکالر۔ وفاقی وزیرِ مذہبی امور، صدر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، ڈائریکٹر جنرل شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد، ڈائریکٹر جنرل دعوۃ اکیڈمی، جج شریعت ایپلٹ بنچ سپریم کورٹ وغیرہ مختلف اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ قرآن، حدیث، فقہ، سیرت اور معیشت و تجارت جیسے موضوعات پر بہت سے وقیع لیکچرز دیے اور متعدد اہم کتب تالیف کیں۔

[2] محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات سیرت (لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، اردو بازار، 2007ء)، مقدمہ۔

[3] عبد الملک ابن ہشام (م213ھ)، السیرۃ النبویۃ، ت: مصطفی السقا (مصر: شرکۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی واولادہ، 1375ھ)، 180، 181:1؛ محمد بن جریر طبری (م310ھ)، تاریخ الرسل والملوک (بیروت: دار التراث، 1387ھ)، 2: 279۔

[4] Washington Irving, Life of Mahomet (London: Henry G. Bhon, 1852), 24.

[5] Royston Pike, Mohammad founder of the religion of Islam (Weidenfeld & Nicolson: Educational ltd. 1962), 14-15.

ٹکڑوں سے بنی ہوئی ہے جو یہودی اور عیسوی دستاویزات میں پائے جاتے ہیں۔"[6] مستشرقین کے اس نوعیت کے اعتراضات و تعصابات پر ڈاکٹر غازی کے یہاں مدلل نقد ملتا ہے۔ ان کے مطابق ایک تو اصول و قواعدِ حدیث کی رو سے یہ واقعہ غیر مستند ہے۔ دوسرے متن میں موجود علّت کی بنا پر کہ حضرت ابو طالب نے نبی اکرم ﷺ کو حضرت بلالؓ اور ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ واپس بھیج دیا، حالانکہ حضرت بلالؓ کی اس وقت تک ولادت ہی نہیں ہوئی تھی اور حضرت ابو بکرؓ تو خود آپ ﷺ سے دو سال چھوٹے تھے۔[7] سوم یہ کہ اگر ایسا صحیح بھی ہو تو یہ خود ایک معجزہ ہے کہ ایک تیرہ سال کا بچہ ایک گھنٹے میں اتنے علوم و فنون سیکھ لے کہ بعد میں قرآن و حدیث اور ان تمام ماخذ کی شکل میں جن پر آج تک غور و خوض ہو رہا ہے، انسانوں تک پہنچائے۔ اگر ایسا ہوا بھی تو یہ معجزے سے کم نہیں۔ لیکن یہ ایک مثال اس بات کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہے کہ مستشرقین واقعی اس ذخیرے کے معتبر یا غیر معتبر ہونے میں کوئی حقیقی دلچسپی نہیں رکھتے، ان کو صرف اسلامی ماخذ و مصادر کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے میں دلچسپی ہے۔[8]

احادیثِ نبوی کے ناقابلِ اعتماد ہونے کے نظریے کا محاکمہ

مستشرقین کا سیرت نبویہ پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ احادیث نبوی عہد نبوی میں مدون نہیں کی گئیں بلکہ حضور ﷺ کی وفات کے دو سو سال بعد لکھی گئیں۔ اسی بنا پر احادیث کا ذخیرہ ناقابلِ اعتماد ہے۔ مثلاً لین پول لکھتا ہے: "احادیث کافی تعداد میں ہیں اور مفصل ہیں، لیکن یہ معلوم کرنا آسان نہیں کہ وہ کہاں تک اصل ہیں؟ روایات جنھیں بعد میں جمع کیا گیا اور چھ لاکھ سے کم کر کے 7675 تک لائی گئیں قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔ کسی وثوق کے ساتھ اب ان کی چھان بین کرنا تقریباً ناممکن ہے۔"[9] مستشرقین کے اس اعتراض کا جواب ڈاکٹر محمود احمد غازی نے ایک طرف مسلم محققین اور سیرت نگاروں کی ان علمی کاوشوں کو بیان کیا ہے، جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ احادیث کی تدوین عہد نبوی سے ہی شروع ہو چکی تھی۔ ان سیرت نگاروں میں مولانا مناظر احسن گیلانی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور ترکی کے نامور محقق ڈاکٹر فواد سیز گین کا ذکر کیا ہے۔، اور دوسری طرف عہد نبوی کے ان مجموعہ ہائے احادیث کا ذکر کیا ہے جو صحابہ کرام نے آں حضور ﷺ سے سن کر قلم بند کیے تھے۔ مثلاً الصحیفۃ الصادقہ،[10] صحیفہ عمرو بن حزم[11] اور صحیفہ

---

[6] Delacy Johnston, Mohammad and his power (Edinburgh: T&T Clark, 1901), 104.

[7] البدایۃ والنہایۃ، ت: علی شیری، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1408ھ/1988ء)، 2: 347۔

[8] غازی، محاضرات سیرت، 662۔

[9] Stanley Lane Pool, The speeches of Table-Talk of the Prophet Muhammad, (New York: Macmillan and co. ltd , 1905), I: iii.

[10] خطیب بغدادی، ابو بکر احمد بن علی (م463ھ)، تقیید العلم، (بیروت: احیاء السنۃ النبویۃ، ب۔ت)، 83، 84؛ ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ (م463ھ)، جامع بیان العلم وفضلہ، (المملکۃ العربیۃ السعودیۃ: دار ابن الجوزی، 1414ھ)، 1: 305۔

براء بن عازب[12] وغیرہ۔ بعد ازاں تابعین نے ان مجموعوں کو صحابہ کرامؓ سے لیا اور یکجا کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک تابعی کے پاس دس صحابہ کے مجموعے آگئے۔ تبع تابعین کے بعد مزید معلومات جمع ہو گئیں۔ چنانچہ امام بخاری اور ان کے معاصرین کا دور استیعاب اور استقصاء کا تھا۔ ان محدثین کی کاوشوں سے حدیث کے بڑے اور مستند مجموعے منظر عام پر آئے، جنھوں نے دیگر تمام مجموعوں سے مستغنی کر دیا۔ [13]

حدیثِ نبوی سے متعلق مستشرقین کا ایک اعتراض یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن پاک کے علاوہ باقی چیزوں کے لکھنے کی ممانعت کی تھی۔ اس مضمون کی بعض احادیث بھی موجود ہیں۔[14] وہ اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ احادیث کا لکھا جانا یا رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کا ضبطِ تحریر میں لایا جانا رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی خلاف ورزی تھی۔[15] اس نوعیت کے استشراقی نقد کے ضواب میں ڈاکٹر غازی نے واضح کیا ہے کہ حضور ﷺ کی موجودگی میں صحابہ کرام کے تحریری ذخائر موجود تھے۔ حضور کی اجازت سے صحابہ کرام آپ کے ارشادات گرامی کو لکھ رہے تھے۔ اس لیے یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ حضور ﷺ نے جس چیز کی ممانعت کی تھی وہ حدیث کی تدوین تھی۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے جس چیز کی ممانعت فرمائی تھی وہ دو طرح کی تھی۔ ایک تو ممانعت ان صحابہ کرام کے لیے تھی جو وحی کے کاتبین تھے۔ حضور علیہ السلام نے انھیں منع کیا کہ تم قرآن کے علاوہ کچھ مت لکھو، کیونکہ بعد والوں کے لیے حدیث اور قرآن میں التباس کا اندیشہ موجود تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضور نے فرمایا کہ مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ اور مت لکھو۔ اور اگر کسی نے کوئی اور چیز لکھی ہے تو اس کو مٹا دے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا تھا کہ صحابہ کرام حضور ﷺ سے قرآن پاک سنتے تھے تو جہاں قرآن پاک کی آیات لکھ لیا کرتے تھے وہاں اس کے معانی بھی لکھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے حضور سے پوچھا کہ جس صلوۃِ وسطی کا ذکر قرآن میں ہے، اس سے کیا مراد ہے۔ حضور نے فرمایا کہ یہاں صلوۃ وسطی سے نماز عصر مراد ہے۔ حضرت عائشہ نے صلوۃ الوسطی کے نیچے لکھ دیا "صلوۃ العصر" تاکہ ان کو یاد رہے۔ کاتبان وحی کے لیے اس چیز کی

---

[11] ابو عبید قاسم بن سلام (م224ھ)، کتاب الاموال، (بیروت: دار الفکر، ب۔ت)، 447؛ ابن قیم الجوزیۃ، ر(م751ھ)، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1415ھ)، فصل فی کتبہ ﷺ التی کتبھا الی اھل الاسلام فی الشرائع، 1: 114۔

[12] علامہ ذھبیؒ براء بن عازبؓ کے بارے میں لکھتے ہیں: "روی حدیثاً کثیراً"۔ "ومسندہ ثلاث مائۃ وخمسۃ احادیث" دیکھیے: الذھبی محمد بن احمد، شمس الدین (م۷۴۸ھ)، سیر أعلام النبلاء، ت: شعیب الارنؤوط، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1405ھ)، 3: 196۔

[13] غازی، محاضرات سیرت، 158-157۔

[14] مسلم بن حجاج القشیری، الجامع الصحیح، ت: محمد فؤاد عبد الباقی، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ب۔ت)، کتاب الزھد، باب تثبت فی الحدیث وحکم کتابۃ العلم، 3004؛ خطیب بغدادی، تقیید العلم، 29-31؛ ابن عبد البر، جامع بیان العلم، 1: 268-269۔

[15] See: William Muir, The Life of Mahomet and History of Islam (London: Smith elder & co, 1858), I: xxxiv.

ممانعت کر دی گئی ۔ کہا گیا کہ جب قرآن پاک لکھیں تو اس کے علاوہ کچھ مت لکھیں اور اگر لکھا ہو تو مٹا دیں ۔ اس لیے کہ ان کے لکھے ہوئے سے التباس پیدا ہو سکتا ہے۔ اس ممانعت کا اس کے علاوہ کوئی اور مفہوم نہیں ہے۔[16]

مصادرِ سیرت کے استناد کی بحث

مستشرقین مصادر سیرت کو غیر مستند قرار دینے کے علاوہ بہت سے سیرت نگاروں پر تنقید بھی کرتے ہیں۔ مثلاً ولیم میور، ابن ہشام پر تنقید کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> There is reason to suspect that *Ibn Hishām* was not as honest as his great authority *Ibn Isḥāq*.[17]

اس پر گرفت کرتے ہوئے ڈاکٹر غازی فرماتے ہیں کہ کسی نے آج تک ہیروڈوٹس سے نہیں پوچھا کہ آپ نے جو تاریخ لکھی ہے اس کے ذرائع و مصادر کیا ہیں۔ کسی نے نہیں پوچھا کہ مہابھارت میں جو قصے لکھے گئے ہیں وہ سچ ہیں کہ جھوٹ ہیں۔ کسی نے نہیں پوچھا کہ مہابھارت کس نے لکھی تھی۔ کب لکھی تھی۔ اس کے مآخذ کیا تھے، مصادر کیا تھے، اس کے پاس یہ معلومات کہاں سے آئیں۔ کیا افلاطون کے مکالمات اور ارسطو کی تحریروں کو حدیث وسیرت تو درکنار موضوع احادیث کے معیار پر بھی پرکھا جا سکتا ہے؟ سوال یہ ہے کہ یہ تنقیدی سوالات صرف قرآن اور سیرت کے بارہ میں کیوں اٹھائے جاتے ہیں؟ اس کا جواب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ بہت سے مغربی مصنفین کے دل ودماغ پر اسلام کے خلاف تعصب کا زبردست داغ لگا ہوا ہے، اس کے علاوہ کوئی اور وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔[18] یہ بات اب تحقیق کے ساتھ ثابت کی جا چکی ہے کہ سیرت کی روایات زبانی روایات پر مبنی نہیں ہیں۔ اس کی تحقیق بھی ہو چکی ہے اور ثبوت دیے جا چکے ہیں۔ ڈاکٹر فواد سیزگن نے اس پر لکھا ہے۔ ڈاکٹر مصطفٰی اعظمی اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس پر لکھا ہے۔ اور بھی بہت سے محققین نے اس پر لکھا ہے کہ یہ ساری روایات زبانی نہیں تھیں بلکہ زبانی اور تحریری دونوں طرح کی روایات بہت تحقیق، احتیاط اور اہتمام سے محفوظ کی گئی تھیں۔[19]

عہدِ مابعد کی عقیدت مندانہ اپروچ کے دعوے کی حقیقت

بعض مستشرقین کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا جو تصور قدیم سیرت نگاروں کے ذہنوں میں تھا، وہ تو محض ایک قبائلی رہنما اور ایک مصلح کا تھا۔ لیکن بعد کی نسلوں نے محمد کی ذات کو آئیڈیلائز کیا۔ اور ان کی شخصیت پر عقیدت مندی کی ایک تہہ بٹھا دی۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی نے مستشرقین کے اس اعتراض کو متعدد نکات کے ذریعے رد کیا ہے۔ مثلاً یہ کہ یہ ساری غلط فہمی اس لیے پیدا ہوئی کہ وہ عشقِ رسول کے اس گہرے جذبے کا ادراک ہی نہیں کر سکتے جو ہر

---

[16] غازی، محاضرات سیرت، 156، 155۔

[17] William Muir, The Life of Mahomet and History of Islam, I: xciv.

[18] غازی، محاضرات سیرت، 14۔

[19] غازی، محاضرات سیرت، 113، 114۔

مسلمان کے دل میں کہیں نہ کہیں ضرور پوشیدہ ہے،[20] کس طرح مسلمانوں نے نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کے حوالے سے معلومات کو جمع کیا اور اسے آگے منتقل کیا۔ خدام، عمال اور کارندگانِ حکومت، قاضی، مفتی یہ سب تو لازماً سیرت کا حصہ ہے ہی، لیکن یہ تفصیلات کہ حضور ﷺ نے کن کن سواریوں کو سواری کا شرف عطا فرمایا۔ آپ کے استعمال میں گھوڑے کتنے تھے، اونٹنیاں کتنی تھیں، ان معلومات کو بھی سیرت نگاروں نے جمع کیا ہے۔ ان معلومات کی فراہمی میں دینی ذوق اور علمی دیانت کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی سے محبت، یہ تینوں باتیں بیک وقت کارفرما ہیں،[21] شخصیت پرستی کے برعکس نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ مسلمانوں کے لیے رول ماڈل ہے۔[22] رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کا ایک پہلو اور ہے جس نے بہت سے غیر مسلموں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی ہے، وہ یہ ہے کہ جو رول ماڈل دنیا کے سامنے پیش کیا ہو، وہ زندگی کے ہر گوشے کے لیے معنویت رکھتا ہو۔ سیرتِ مبارکہ کی یہ جامعیت ہی اس کو انفرادیت عطا کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کا ایک جامع رول ماڈل ہونا ایک ایسی منفرد چیز ہے جو دنیا میں کسی اور شخصیت کو حاصل نہیں ہے۔[23] تاریخ عالم اور خود مغربی مصنفین کے اعتراف کے مطابق انسانی تاریخ کا کامیاب ترین انسان اگر کوئی شخص کہلا سکتا ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے۔ دنیا میں کوئی اور انسان اپنی کامیابی کی کمیت اور کیفیت، گہرائی اور گیرائی کے اعتبار سے حضور علیہ السلام کی نسبت ہزارویں حصے میں بھی نہیں رکھا جا سکتا۔[24]

مستشرقین کے اس اظہارِ حیرت کہ "عرب کے ایک چھوٹے سے اور محدود ماحول میں رہ کر آپ کے مزاج اور انداز میں یہ بین الاقوامیت اور بین الانسانیت یک بیک کیسے پیدا ہوگئی؟" کو رفع کرتے ڈاکٹر غازی نے لکھا ہے کہ ابتدائی مکی سورتوں میں یا یھا الناس اور یا بنی آدم کے خطاب سے پوری انسانیت کا بیک وقت مخاطب ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کا اپنا خاندان اور آپ کی ذات گرامی ایک ایسا بین الاقوامی مزاج اور کردار رکھتے تھے جو عرب میں بہت کم لوگوں کو حاصل تھا۔ خود رسول اللہ ﷺ کے جد امجد جناب قصی جنھوں نے مکہ مکرمہ کی شہری ریاست قائم کی، کے ذاتی تعلقات اپنے زمانے کے کئی حکمرانوں سے قائم تھے۔ جناب قصی کے بعد ان کے جانشینوں میں سب سے نام ور شخصیت جناب ہاشم بن عبد مناف کی ہے۔ وہ بڑی مشہوراور بین الاقوامی شخصیت تھے۔ جناب ہاشم نے قریش کے قبیلے کے لیے روم کی سلطنت سے بہت سی مراعات حاصل کیں۔[25] نبی اکرم ﷺ کے آباؤ اجداد کے بین الاقوامی مزاج اور تعلقات کا ذکر کرنے کے بعد آپ نے نبی اکرم ﷺ کی قائم کردہ ریاست مدینہ کا

[20] غازی، محاضرات سیرت، 24۔

[21] غازی، محاضرات سیرت، 25،26۔

[22] غازی، محاضرات سیرت، 28۔

[23] غازی، محاضرات سیرت، 35

[24] غازی، محاضرات سیرت، 35۔

[25] غازی، محاضرات سیرت، 325-329۔

تذکرہ کیا ہے۔ ریاستِ مدینہ کی تشکیل میں میثاقِ مدینہ کا اہم کردار ہے۔ اس دستورِ مدینہ کے تحت جو ریاست قائم ہوئی، اس کے بارے میں ڈاکٹر غازی صاحب نے لکھا ہے کہ "یہ ایک کثیر القبائل یعنی Multi-tribal اور کثیر المذہبی یعنی Multi-religion اور کثیر الثقافتی یعنی Multi-cultural حکومت تھی۔ "[26] ایک اور اہم چیز جو اسلام اور نبی اکرم ﷺ کے بین الاقوامی مزاج پر دلالت کرتی ہے۔ وہ امت مسلمہ کا دوسری اقوام کی اچھی اور مثبت چیزوں کو اپنانا ہے۔[27]

مکے میں پیغمبر اور مدینے میں بادشاہ بن جانے کے دعوے کا رد

مستشرقین کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ مکہ میں ایک پیغمبر تھے، لیکن جیسے ہی ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو ان کی زندگی یکسر بدل گئی اور وہ ایک بادشاہ اور سیاستدان بن گئے۔ مثلاً ہٹی لکھتا ہے:"ہجرت کے ساتھ ہی مکی دور کا اختتام ہوا اور مدنی دور کا آغاز ہو گیا جو کہ محمد کی زندگی میں نہایت اہم موڑ ثابت ہوا۔ ایک حقیر پیغمبر کی حیثیت سے اپنے آبائی وطن کو ترک کرتے ہوئے وہ اپنے اختیار کردہ وطن میں معزز سردار کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ پیغمبر کی حیثیت اب پسِ منظر میں رہ گئی اور وہ سیاسی عملی انسان کے طور پر سامنے آئے۔ پیغمبر آہستہ آہستہ سیاستدان بن گئے۔"[28] Nicholson بھی کے مطابق:

> At Medina…the days of pure religious enthusiasm have passed away forever; and the prophet is overshadowed by the statesman.[29]

جان سٹون کہتا ہے:"سب سے گھٹیا قدم اس وقت اٹھایا جب مدینہ کو فرار اختیار کیا اور وہاں اپنی غیر مذہبی بادشاہت قائم کی"[30] ولسنٹن اور گب کا بھی یہی اعتراض ہے کہ نبی اکرم میں مدینہ جا کر اچانک تبدیلی آئی اور وہ ایک سیاستدان اور فوجی کمانڈر بن گئے۔[31] اس کے جواب میں ڈاکٹر غازی نے لکھا ہے کہ یہ اعتراض یا شبہ ایک تو اسلام کے مزاج اور رسول اللہ ﷺ کے پیغام کی خاتمیت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام محض زاہدوں، مرتاضوں اور مستغنیوں کی تربیت کے لیے تشریف نہیں لائے تھے۔ آپ تارک الدنیا لوگوں کی فوج بنانے کے لیے نہیں آئے تھے۔ آپ فی الدنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنۃ کی جامعیت پیدا کرنے لیے تشریف لائے

---

[26] غازی، محاضرات سیرت، 343۔

[27] غازی، محاضرات سیرت ایضا، 343-344۔

[28] Philip. K. Hitti, Islam a way of life (University of Minnesota Press: Minneapolis, 1970), 15.

[29] Nicholson, A Literary History of the Arabs (London: Cambridge University Press, 1953), 169-170.

[30] Delacy Johnston, Mohammad and his power, (Edinburgh: T&T Clark, 1901), 150.

[31] Wilson Cash, The Expansion of Islam (London: 1928), 23, 24; H. A. R. Gibb Mohammadanism (London: 1950), 27.

تھے۔ آپ ﷺ نے خود فرمایا کہ انا نبی الملحمة انا نبی المرحمة [32] میں جہاں رحمت کا نبی ہوں، وہاں میں جنگ کا نبی بھی ہوں۔ ایک اور موقع پر فرمایا کہ انا الضحوک القتال اس لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ میں پہلے دن سے ہی یہ دونوں چیزیں جمع تھیں۔[33] جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں کفار کو دعوت دے رہے تھے تو آپ نے بارہا یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ آپ ﷺ کی اس دعوت کو قبول کر لینے والے عرب و عجم کے حکمران بن سکتے ہیں۔[34] اس کے بعد مکہ مکرمہ کے آخری دور میں جب رسول اللہ ﷺ مختلف قبائل کے وفود سے ملاقاتیں کر رہے تھے، خاص طور پر جب حج کے موقع پر حضور دین کی دعوت دینے مختلف قبائل کی قیام گاہوں پر تشریف لے جا رہے تھے۔، تو فرماتے تھے کہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لو تو عرب اور عجم دونوں تمھارے زیر نگیں ہو جائیں گے۔[35]

نسب و خاندان نبوی ﷺ پر اعتراضات کا تجزیہ

قدیم و جدید سیرت نگاروں کا یہ طریقہ کار ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ مرتب کرتے ہوئے آغاز آپؐ کے خاندان اور آباؤاجداد کے تعارف سے کرتے ہیں۔ تمام سیرت نگاروں کے مطابق آپ کا سلسلہ نسب معد بن عدنان تک قطعی اور یقینی ہے۔[36] اور یہ کہ حضور اکرم ﷺ حضرت ابراہیم کے بڑے صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ بعض مغربی مصنفین جن میں سرفہرست سر ولیم میور ہیں، اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا تعلق حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہے۔[37] اس کے جواب میں ڈاکٹر غازی واضح کرتے ہیں کہ یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ آں حضرت ﷺ کا تعلق بنی اسماعیل سے تھا۔ حضور علیہ الصلوۃ و السلام کے خاندان کے بارے میں عربوں کی علم الانساب میں دلچسپی کی وجہ سے بہت سی روایات محفوظ ہیں، جن کو علمائے انساب اور سیرت نگاروں نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے معد بن عدنان تک اپنے نسب نامے کی تصدیق فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **"كذب النسّابون"**[38] یعنی اس کے بعد اس کی جو پشتیں ہیں، ان کے بارے میں ماہرینِ انساب کی معلومات درست نہیں ہیں۔ تاہم یہ حقیقت عرب میں کبھی بھی باعثِ

---

[32] صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فی اسمائہ ﷺ، 2355؛ ابن حبان، محمد بن حبان (م354ھ)، صحیح ابن حبان ت: شعیب الارنؤوط (بیروت: مؤسسة الرسالة، 1988ء)، کتاب التاریخ، باب من صفته و اخباره، ذکر وصف اسامی المصطفی ﷺ، 314 ؛ ابن قیم، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، فصل فی اسمائہ ﷺ، 1: 185۔

[33] غازی، محاضرات سیرت، 323-324۔

[34] ابن سعد، محمد بن سعد (م230ھ)، الطبقات الکبری، ت: محمد عبد القادر عطا (بیروت: دار الکتب العلمیة، 1410ھ)، 1: 185۔

[35] ابن سعد، الطبقات الکبری، 1: 168۔

[36] ابن الاثیر، علی بن المکرم (م630ھ)، الکامل فی التاریخ (بیروت: دار الکتاب العربی، ۱۴۱۷ھ)، 1: 534۔

[37] William Muir, The Life of Mahomet, 1: CXXV.

[38] ابن کثیر، البدایة والنھایة، 2: 2246؛ ابن سعد، الطبقات الکبری، 1: 47۔-

اختلاف نہیں رہی کہ سیدنا حضور علیہ الصلوۃ السلام کے خاندان کا تعلق بنی اسماعیل سے تھا۔ اور معد بن عدنان بنی اسماعیل سے تعلق رکھتے تھے۔[39]

بعض متعصب مستشرقین نے نبی اکرم ﷺ کے خاندان کو نعوذباللہ کم تر درجے کا خاندان قرار دیا ہے۔ مشہور مستشرق ڈی ایس مارگولیتھ کے مطابق حضرت محمد کا تعلق ایک نہایت غریب اور ادنیٰ خاندان سے تھا۔وہ دلائل پیش کرتا ہے کہ قرآن مجید کے مطابق قریش کو حیرت تھی کہ ان میں ایسا پیغمبر کیوں نہ بھیجا گیا جو شریف خاندان سے ہوتا۔پیغمبر کے عروج کے زمانے میں قریش نے آں حضرت ﷺ کو اس گھوڑے سے تشبیہ دی، جو گھورے پر جمتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب ایک شخص نے مولیٰ کے لفظ سے خطاب کیا تو آپ نے اس لقب سے انکار کیا۔ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج شرفائے کفار کا خاتمہ ہو گیا۔ کفار کہتے ہیں کہ یہ قرآن دو شہروں (مکہ و طائف) کے کسی رئیس پر کیوں نہ اترا؟[40] آپ کے دادا کا نام عبد المطلب تھا۔ دادا کے چچا کا نام مطلب تھا۔اس لیے یہ ان کے بھتیجے نہیں تھے بلکہ غلام تھے۔اور انھوں نے ان کو اتنی محبت سے رکھا کہ وہ ان کے بھتیجے مشہور ہو گئے۔اس لیے رسول اللہ ﷺ کے دادا نعوذ باللہ ایک غلام زادے تھے۔[41]

ڈاکٹر غازی نے "محاضرات سیرت" میں دلائل کے ساتھ اس اعتراض کو رد کیا ہے۔آپ نے رسول اللہ ﷺ کے خاندان کو انتہائی معتبر، محترم اور قابل ذکر خاندانوں میں شمار کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کی حدیثِ مبارکہ پیش فرمائی ہے جس کے مطابق آپ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کی نسل میں سے بنی اسماعیل کو چنا ،بنی اسماعیل میں سے قریش کو چنا، قریش میں خاندان بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں مجھے منتخب کیا۔[42] بعد ازاں مصنف نے عبد المطلب، ان کے والد ھاشم اور جد امجد قصی کے مکہ مکرمہ کی شہری ریاست کے سربراہ ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ السلام کے خاندان کی ان تفصیلات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کا خاندان عرب کے نام ورترین اور محترم ترین خاندانوں میں سے ایک تھا۔[43]

بت پرستی کے الزام کی تردید

مارگولیتھ کو اس بات پر حیرت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نبوت سے قبل چالیس سال تک کس طرح بت پرستی سے رُکے رہے۔[44] اس کے مطابق رسول اللہ ﷺ اور حضرت خدیجہ لات و عزی کی پوجا کیا کرتے تھے۔[45] اس کے لیے اس

[39] غازی، محاضرات سیرت، 71-72۔

[40] الزخرف43: 31۔

[41] غازی، محاضرات سیرت، 73۔

[42] محمد بن عیسی ترمذی (م279ھ)، الجامع (بیروت: دار الغرب الاسلامی، 1998ء)، أبواب المناقب، باب فضل النبی ﷺ، 3605۔

[43] غازی، محاضرات سیرت، 76۔

[44] D.S. Margoliouth, The early development of Mohammadanism (London: Williams and Norgate, 1915), 251.

نے مسند امام احمد بن حنبل کی وہ روایت بہ طورِ دلیل پیش کیا ہے جس کے مطابق مجھ سے خدیجہ بنت خویلد کے ایک ہمسایہ نے بیان کیا ہے کہ میں نے پیغمبر ﷺ کو حضرت خدیجہ سے یہ کہتے سنا کہ اے خدیجہ! بخدا میں کبھی لات و عزی کی پرستش نہیں کروں گا۔ خدیجہ کہتی تھی کہ لات کو جانے دیجیے، عزی کو جانے دیجیے (یعنی ان کا ذکر بھی نہ کریں) اس نے کہا کہ لات و عزی وہ بت تھے، جن کی پرستش اہلِ عرب سونے سے پیشتر کیا کرتے تھے۔[46]
اس کے جواب ڈاکٹر غازی نے لکھا ہے کہ مارگولیتھ نے یہ سمجھا کہ شاید رسول اللہ ﷺ اور حضرت خدیجہ کی طرف اشارہ ہے۔ حالانکہ یہ صیغہ جمع ہے اور عربی زبان میں دو کے لیے جمع نہیں بلکہ صیغہ تثنیہ آتا ہے۔ یہ دو حضرات کی بات ہو رہی ہے۔ مزید بر آں اس جملہ کا بالفرض یہی مفہوم ہو جو یہ یہودی فاضل سمجھ رہا ہے تو پھر پہلے دو جملوں کا مفہوم کیا ہو گا؟ جن میں لات و عزی پر لعنت بھیجی گئی ہے۔ اب سوائے اس کے کہ یا تو یہ بہت مضحکہ خیز قسم کی جہالت ہے یا محض زبردستی اور دھاندلی ہے۔[47]

آپ ﷺ کی بہادری پر اعتراض کا جواب

مارگولیتھ نے واقدی کی کتاب المغازی کی عبارت کے غلط ترجمے سے غلط استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بہادر نہیں تھے۔ اس دعوے کی تایید میں اس نے لکھا ہے کہ غزوہ بدر میں حضور نے جونہی خون کا پہلا چھینٹا دیکھا تو خوف سے بے ہوش ہو گئے۔ ہوش آیا تو دیکھا کہ جنگ ہو رہی ہے۔[48] ڈاکٹر غازی نے اس کے جواب میں واضح کیا ہے کہ یہ بات کسی بھی سیرت نگار یا حضور کے قریب رہنے والے لوگوں میں سے کسی نے بھی نہیں کہی۔ ہر ایک نے اس کے برعکس یہ گواہی دی کہ حضور ﷺ اشجع الناس تھے۔ بہادر ترین تھے۔[49] جنگ میں صحابہ کہتے تھے کہ ہم اپنی حفاظت کے لیے حضور ﷺ کے پاس جا کھڑے ہوتے تھے۔[50] کئی مواقع پر ایسا ہوا کہ حضور ﷺ تن تنہا دشمن کی خبر لینے چلے گئے۔[51] ان واضح شواہد کی موجودگی میں معلوم نہیں اس نے یہ بات کیسے کہی کہ غزوہ بدر کے موقع پر آپ ﷺ نعوذ باللہ بے ہوش ہو گئے۔ اس بارے میں علامہ سلیمان ندوی نے مارگولیتھ کو خط لکھا۔ اس نے

---

[45] D.S Margoliouth, Mohammad and the Rise of the Islam (G.P.PUTNAM's SONS, The Knickerbocker press, 1905), 70.

[46] احمد بن حنبل، ابو عبداللہ، امام (241ھ)، المسند، ت: شعیب الارنؤوط، (بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، 2001ء)، مسند الشامیین، حدیث جار لخدیجہ بنت خویلد، 17947۔

[47] غازی، محاضرات سیرت، 67۔

[48] D.S Margoliouth, Mohammad and the Rise of the Islam, 259.

[49] صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فی شجاعۃ النبی ﷺ وتقدمہ للحرب، 3207

[50] اسماعیل بن عمر ابن کثیر (م774ھ)، السیرۃ النبویۃ (بیروت: دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، 1970ء)، 2: 425۔

[51] محمد بن اسماعیل البخاری (م256ھ)، الجامع الصحیح (دار طوق النجاۃ، 1422ھ)، کتاب الجہاد، باب الشجاعۃ فی الحرب، 2820۔

جواب دیا کہ یہ بات میں نے ول ہاوزن کے ترجمے سے لی ہے۔ ول ہاوزن کے ترجمے میں انھوں نے دیکھا تو واقعی اس نے یہی لکھا تھا۔ ول ہاوزن نے دعوی کیا کہ واقدی نے بھی یہی لکھا ہے۔ واقدی نے وہی لکھا ہے جو عام سیرت نگار بیان کرتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے مشورے سے رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک چھوٹی سی چٹان پر ایک چھپر بنایا تھا۔ آپ اور حضرت ابو بکر صدیق اس چھپر پر تشریف فرما تھے۔ فجر کی نماز کے بعد سے حضور دعا میں مصروف تھے ۔ابھی سورج نکلنے ہی والا تھا کہ حضور ﷺ کو ہلکی سے اونگھ آگئی۔ "فغشیه النوم" یہ واقدی کے الفاظ ہیں کہ آپ کو نیند نے آ لیا۔ اسی اثنا میں جب کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو نیند کا ایک جھونکا آیا۔ کفار قریش نے تیر اندازی شروع کر دی۔ اس سے بعض مسلمان زخمی ہوئے اور خون بہہ نکلا۔ جب حضور کو اطلاع ہوئی کہ کفار نے حملہ کر دیا ہے اور مسلمانوں کا خون بہہ نکلا ہے، تو حضوع ﷺ ایک دم سے گھبرا کر اٹھے۔[52] یہ عبارت ہے جس کا ترجمہ انھوں نے یہ کیا کہ غشی آگئی اور بے ہوش ہو گئے اور گھبرا کر اٹھے۔ گویا ڈر کر اٹھے، یوں، گھبرا کو، ڈر کر، کر دیا۔ ممکن ہے کہ ول ہاوزن کا سارا ہی ترجمہ ایسا ہو، میں نہیں جانتا لیکن واقدی کی اس سادہ سی عبارت کے اس ترجمے سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی اور ایک طویل عرصہ تک اس پر بحث ہوتی رہی۔[53]

تعدد ازواج پر اعتراض کا جواب

حضور ﷺ کی شادیوں اور ازواج کی تعداد کے بارے میں ذاتِ رسالت پر اعتراض مستشرقین کا محبوب ترین موضوع ہے، جس کے ذریعے وہ (نعوذ باللہ) آپ کی بوالہوسی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ مثلاً با سورتھ اسمتھ لکھتا ہے:"پیغمبر اسلام کے عظیم کردار پر چند دھبے جن پر ایک عیسائی کو ہمیشہ توجہ دینی چاہیے، وہ یہ ہیں کہ پیغمبر اسلام کا ایک یا دو دفعہ کی ہلاکتوں سے اغماض اور قوانین حرم جو اس نے خود بنائے سے بریت"[54] بعض مستشرقین نے نبی اکرم پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ آپ نے بیویوں کی تعداد کو محدود کر دیا تھا لیکن خود آپ نے اس پر عمل نہیں کیا۔[55] جان سٹون کے مطابق آپ ﷺ نے مدینے میں فرار کے بعد غیر مذہبی بادشاہت قائم کی اور وفادار خدیجہ کے بعد کثیر الازدواجی کی رسم شروع کر دی۔[56]

تعدد ازواج سے متعلق کے بارے میں مستشرقین کے اس نوع کے اعتراضات کے جواب میں ڈاکٹر غازی صاحب نے لکھا ہے کہ اس ضمن میں پہلی بات یہ دیکھنے کی ہے کہ قرآن پاک میں چار بیویوں کی تحدید کی آیات کب نازل ہوئیں؟

---

[52] محمد بن عمر الواقدی (م207ھ)، المغازی، ت: مارسدن جونس، (بیروت: دار الاعلمی، 1409ھ:1989ء)، 1: 67۔

[53] غازی، محاضرات سیرت، 276-277۔

[54] Bosworth smith, Muhammad and Mohammadanism (Lahore: Sind Sagar Academy, 1875), 211.

[55] For Example See: Dermenghem, Muhammad and the Islamic tradition (New York: Happers Brothers), 47; Marcus Dods, Mohammad, Buddha and Christ (London: Hodder and Stoughton), 58.

[56] Mohammad and His Power, 150-151.

پھر یہ دیکھا جائے کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے اس تحدید کے بعد کوئی نیا نکاح فرمایا؟ ایک عام رائے یہ ہے کہ چار کی تحدید سن 7ھ کے لگ بھگ نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے جو آخری نکاح فرمایا تھا وہ بھی اسی سال فرمایا تھا۔ دوسری بات جو پیش نظر رکھنی چاہیے وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کو سن 5ھ میں مسلمانوں کی مائیں قرار دے دیا گیا تھا اور یہ بھی کہہ دیا گیا تھا کہ یہ مسلمانوں کی حقیقی ماؤں کی طرح ہوں گی اور ان کے بعد کبھی بھی کوئی ان سے نکاح نہ کر سکے گا۔ اگر رسول اللہ ﷺ چار کی تحدید آنے کے بعد اس پر یہ عمل فرماتے کہ آپ چار کے علاوہ باقی کو طلاق دے ڈالتے۔ اور ان کو ازواج مطہرات ہونے کے شرف سے محروم کر دیتے۔ یہاں پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ یہ ناانصافی کس بنیاد پر کرتے؟ کن ازواج کو اجازت دیتے اور کن چار کو رہنے دیتے۔ اس لیے قرآن پاک نے ایک درمیانی حل پیش کیا اور سورۃ احزاب میں فرمایا گیا کہ تم ازواج مطہرات میں سے جس کو چاہو اپنے در دولت میں رکھو اور جس کو چاہو ملتوی رکھو۔ رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات کی دو قسمیں بنائی۔ ایک وہ جن کو ایوا کا شرف بخشا۔ ایک وہ جن کو ارجاء کی منزل میں رکھا۔ اس میں بھی قرآن پاک نے فرمایا کہ آپ کوئی ردوبدل کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ پھر فرمایا اس کے بعد آپ کے لیے کسی عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں۔ جو نو ازواج مطہرات اس وقت حیات تھیں، وہی عقد نکاح میں رہیں۔ حضور ﷺ نے ان کو پیشکش کی کہ تم چاہو تو میں تم کو مال و دولت دے کر فارغ کر دوں۔ یہ بھی سورۃ احزاب میں ہے کہ ظاہر ہے کوئی عورت اس شرف کو چھوڑنے پر تیار نہیں تھی۔ پھر کچھ خواتین نے کہا کہ ہم اپنا حق چھوڑنے کو تیار ہیں، لیکن آپ ہمیں زوجیت رسول کے اس شرف سے محروم نہ کریں۔ حضرت سودہؓ کا اسم گرامی ان میں آتا ہے۔ ایک طرح کا انتظام حضور نے یہ کیا کہ ازواج مطہرات میں چار حضور ﷺ کے ساتھ ایوا کی منزل میں رہیں اور بقیہ پانچ ارجا کی منزل میں رہیں۔ یہ ایک بحث ہے جو بعض حضرات نے کی ہے۔ اس کا تعلق کلامیات سے ہے۔ اور اس پر قطعی رائے دینا بہت مشکل ہے۔[57]

خلاصۂ بحث

سیرت کے مختلف پہلوؤں پر استشراقی اعتراضات کے جوابات کے ضمن میں ڈاکٹر محمود احمد غازی کی "محاضراتِ سیرت" کے حوالے سے کیے گئے زیر نظر مطالعے سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ ڈاکٹر غازی نے مستشرقین کے اعتراضات کے بہت محققانہ اور عالمانہ جوابات فراہم کیے ہیں۔ انھوں نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ قرآن کے حضور ﷺ کی تصنیف ہونے، احادیث کے ناقابلِ اعتماد ہونے، مصادرِ سیرت کے غیر مستند ہونے، حضور ﷺ کے مدینہ جا کر دنیاوی بادشاہ بن جانے، آپ ﷺ کے نسبی اعتبار سے کم تر ہونے اور آپ کے جنسی خواہشات کے تحت تعدد ازواج کو اپنا لینے، وغیرہ کے استشراقی اعتراضات مستشرقین کے تعصبات اور غلط فہمیوں کا شاخسانہ ہیں۔ ان میں تاریخی حقائق کو یا تو درست طور پر سمجھا نہیں گیا یا جان بوجھ کر غلط رنگ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اکثر مقامات پر یہی معلوم ہوتا کہ مستشرقین اپنی روایتی تعصب کا شکار ہو کر حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کر رہے ہیں۔

---

[57] غازی، محاضرات سیرت، 503، 505۔